ساجد حمید

متن حدیث میں علما کے تصرفات

[یہ مضمون میری ایک تحریر کا جزو ہے۔ جسے افادۂ عام کے لیے تحریر کے مکمل ہونے سے پہلے شائع کیا جا رہا ہے تا کہ نقد و جرح کے عمل سے گزر جائے۔ احادیث مبارکہ کے متون میں جو باتیں آئی ہیں، وہ اہل علم کے تصرفات کے نتیجے میں بہت حد تک بدل چکی ہیں۔ یہ تحریر اس بات کی سعی ہے کہ متون حدیث کو ان تصرفات سے پاک کر کے دیکھا جائے۔ اس تحریر میں ہر ایک تصرف کی چند مثالوں سے بات کو قابل فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان تصرفات سے پاک کرنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل بات کسی حد تک سامنے آ جاتی ہے، جس پر پھر عقل و نقل کے اعتراض وارد کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ گویا یہ دفاع حدیث کا ایک اسلوب ہے، جسے میں متعارف کرانا چاہتا ہوں۔ یہ مدرسۂ فراہی کا خاص طرز فکر ہے۔ اس عمل سے چونکہ حدیث کی بنا پر بنی ہوئی ہماری پہلے سے موجود آرا تبدیل ہو جاتی ہیں، جس سے لوگوں کو توحش اور اجنبیت سی محسوس ہوتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اصل بات کی طرف لوٹنا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اصل بات کی طرف جو ہمارے تصرفات سے پاک ہو۔ یہ بلا شبہ ایک مشکل اور نازک کام ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ کوتاہیوں، خطاؤں، لغزشوں اور نفس کے بہکاووں سے بچائے، آمین۔ مصنف]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

—— ۱ ——

حدیث کے ساتھ ہمارے تصرفات کی ایک اہم صورت متن حدیث کو اجزا میں بانٹنا ہے۔ اس کے لیے ہم اس مضمون میں تجزیۂ حدیث اور تجزیہ کی اصطلاح استعمال کریں گے۔ تجزیہ کا یہ عمل کئی وجوہات سے ہوا ہے۔ مثلاً یہ کہ راوی نے، فطری طور پر، برسر موقع، جتنی بات کی ضرورت تھی، اتنی بات بیان کی، باقی بات یا اس سے متعلق دیگر تفصیلات بیان نہیں کیں۔ مصنف محدثین نے اپنی کتاب کی موضوعاتی ترتیب کے لحاظ سے حدیث کا جتنا متن

ایک موضوع سے متعلق تھا، وہ ایک جگہ لکھ دیا باقی دوسری جگہ، وغیرہ۔ اس عمل سے حدیث کے ٹکڑے مختلف ابواب میں بکھر گئے، جس سے پوری بات ہمارے سامنے موجود نہ رہی، اور ہر ٹکڑا الگ الگ حیثیت سے مکمل بات کے طور پر لے لیا گیا۔ تجزئہ حدیث کی ایک مثال ذیل میں دی جاتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے درج ذیل حدیث جب اسبال ازار کے باب میں لکھی تو اس کے الفاظ یہ تھے:

عن سالم بن عبد اللّٰه، عن أبيه رضى اللّٰه عنه عن النبى صلى اللّٰه عليه و سلم قال: ((من جر ثوبه خيلاء لم ينظر اللّٰه إليه يوم القيامة)) قال أبو بكر: يا رسول اللّٰه، إن أحد شقى إزارى يسترخى، إلا أن أتعاهد ذلك منه؟ فقال النبى صلى اللّٰه عليه و سلم: لست ((ممن يصنعه خيلاء)). (رقم ۵۷۸۴)

یہی روایت جب ''کسی دوست یا عزیز کی بر بنائے علم تعریف کرنے'' سے متعلق باب[1] میں درج کی تو انھوں نے اختصار کے لیے روایت کے بعض حصوں کو بیان ہی نہیں کیا، اور حسب ضرورت اس کے الفاظ کو مختصر بھی کر دیا۔ حالانکہ دونوں روایتیں سالم اور ان کے والد گرامی عبد اللہ ہی سے ہیں:

عن سالم، عن أبيه: أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم حين ذكر فى الإزار ما ذكر، قال أبو بكر: يا رسول اللّٰه، إن إزارى يسقط من أحد شقيه؟ قال: ((إنك لست منهم)). (رقم ۶۰۶۲)

ہم نے بدلے ہوئے الفاظ کو دونوں متون میں خط کھینچ کر نمایاں کر دیا ہے۔ یہ تصرف راوی نے کیا ہو، یا امام صاحب نے، دونوں صورتوں میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابواب کی رعایت یا موقع سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے ایسا کیا جاتا تھا۔

یہ طرز عمل آہستہ آہستہ معمول بہ بن گیا۔ اس میں کوئی عیب محسوس نہیں کیا گیا۔ چنانچہ اسی نہج پر بعد میں ہمارے علما بالعموم مکمل بات کے حصول کے بجائے ایک ایک ٹکڑے کو فرمان نبوی قرار دیتے ہوئے اس پر بنائے حکم رکھنے لگے۔ اس عمل میں بظاہر یہ خوبی ہے کہ ہم ہر بات کو اپنے لیے حکم شرعی سمجھیں اور اس کی تعمیل کریں، لیکن ساتھ ہی اس میں یہ خرابی ہے کہ ہم اصل بات کو نہیں مان رہے ہوتے، بلکہ یا اس کے ایک جزو کو مان رہے ہوتے ہیں، یا پھر کوئی اور ہی بات جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی بھی نہیں ہوتی، اس پر عمل پیرا ہو رہے ہوتے ہیں۔ مثلاً میں

[1] باب من أثنى على أخيه بما يعلم۔

www.javedahmadghamidi.com

اپنے بچوں سے کہوں کہ جس نے دھوپ میں کالا چشمہ نہ لگایا، اسے کھانا نہیں ملے گا۔ میرا ایک بچہ تابع داری میں یہ کرے کہ والد صاحب نے چشمہ لگانے کو کہا ہے، لہٰذا وہ دھوپ ہو نہ ہو، دن رات کالا چشمہ لگانے لگے، تو یہ میرے حکم کی تعمیل نہیں، کیونکہ میں نے اسے ہر وقت عینک لگانے کا حکم نہیں دیا تھا۔ میرا حکم صرف دھوپ کے ساتھ خاص تھا۔ اس نے میرے حکم کے ایک جز کو اصل حکم قرار دے کر یہ غلط روش اپنائی۔

اسبال ازار کا حکم اور تجزئہ حدیث

اسی اصول پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان دیکھیے:

من جر ثوبه من الخيلاء، لم ينظر الله إليه يوم القيامة. (سنن ابن ماجہ، رقم ۳۵۷۱)

''جس نے اپنا کپڑا تکبر کی بنا پر لٹکایا، قیامت کے دن اللہ اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔''

اس فرمان نبوی کے ساتھ بھی ہم نے وہی کیا جو دھوپ کے چشمے والی مثال میں اوپر بیان ہوا ہے کہ حکم کے جز کو لیتے ہوئے اسے دھوپ کے علاوہ بھی پہنا گیا۔ اسی طرح اس حدیث میں پائنچے نیچے کرنے کا عمل صرف تکبر کے ساتھ ہی ممنوع ہوا تھا، مگر ہم نے تکبر کے بغیر بھی منع کر ڈالا، اور اب صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ علما بھی اس حکم کو محض ٹخنے ننگے رکھنے کا حکم سمجھتے ہیں[۲]۔ چنانچہ وہ نماز کی اقامت کے وقت اعلان کرتے ہیں کہ ٹخنے ننگے کرلیں۔ چنانچہ جب ایک پابند صوم وصلوٰۃ آدمی کو یہ بتایا جاتا ہے کہ اگر تمھاری شلوار یا پاجامہ ٹخنے سے ذرا سے بھی نیچے ہوئے تو تم دوزخ میں جاؤ گے، تو وہ آگے سے پوچھتا ہے: اتنے چھوٹے سے عمل کی وجہ سے نماز، روزہ اور زکوٰۃ جیسے اتنے بڑے بڑے اعمال کیا سب اکارت چلے جائیں گے؟ یہ کیسی عجیب بات ہے جو آپ کر رہے ہیں؟ کیا واقعی یہ حکم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے دیا ہے[۳]؟ اس آدمی کا تردد بجا ہے، اس لیے کہ ہم نے اصل جرم، یعنی تکبر جس کو حدیث نمایاں کرنا چاہتی

۲؎ کوئی یہ کہہ سکتا ہے بعض احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ لباس ٹخنوں سے اوپر رکھو۔ بلاشبہ یہ الفاظ آئے ہیں، مگر ان کی وجہ بھی تکبر ہی ہے۔ مثلاً ابن ماجہ کی روایت رقم ۳۵۷۳ دیکھیے اس حدیث میں آخری لفظ 'بطرا' آیا ہے، جس کے معنی بر بنائے تکبر کے ہیں۔ یہی معاملہ نماز میں اسبال ازار سے متعلق روایات کا ہے: 'سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إزرة المؤمن إلى أنصاف ساقيه، لا جناح عليه ما بينه وبين الكعبين، وما أسفل من الكعبين في النار. يقول ثلاثًا: لا ينظر الله إلى من جر إزاره بطرًا'۔

۳؎ واضح رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر کے نہ ہوتے ہوئے پائنچے لٹکانا ممنوع قرار نہیں دیا: دیکھیے صحیح بخاری، رقم: ۶۰۶۲ 'عن سالم، عن أبيه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم حين ذكر في الإزار ما ذكر، قال

تھی، اسے فراموش کر دیا، محض ٹخنے ننگے رکھنے کو ایمان و عمل صالح کے لیے سبب حبط قرار دے دیا۔

اگر تمام احادیث کو اکٹھا کیا جائے تو ٹخنے ننگے رکھنے کا حکم ہرگز منشاے حدیث معلوم نہیں ہوتا۔ اصل حکم پر نگاہ ڈالیے تو بات ہی کچھ اور نکلتی ہے۔ مثلاً حدیث مبارکہ کے درج ذیل الفاظ پر غور کیجیے:

الإسبال في الإزار والقميص والعمامة من جر شيئًا خيلاء لم ينظر الله تعالٰى إليه يوم القيامة. (سنن ابن ماجہ، رقم ۳۵۷۶)

''اسبال تہ بند، قمیص اور پگڑی سب میں ہوتا، جس نے کوئی بھی چیز تکبر سے لٹکائی، اللہ اس کی طرف قیامت کے دن نظر بھی نہیں کرے گا۔''

اس حدیث کے مطابق اسبال کا تعلق تہ بند، عمامہ اور قمیص غرض ہر کپڑے سے ہے، جبکہ ہمارے ہاں یہ حکم ٹخنے سے خاص ہو گیا۔ اس کی وجہ متون حدیث پر ہمارے تصرفات ہیں کہ کبھی محدثین نے اپنی ضرورت کی بنا پر اور کبھی راویوں نے بیان کے فطری تقاضوں کی وجہ سے حضور اکرم کی بات کو پورا بیان نہیں کیا، جس کی وجہ سے بات بدل گئی۔ جبکہ حدیث کا اصل مضمون اظہارِ تکبر کی حرمت ہے۔ چنانچہ جس جس چیز سے تکبر ظاہر ہوگا، وہ منع ہوگی۔ لباس میں عام طور پر بعض تہذیبوں میں اظہار تکبر کے لیے کپڑے کے پلو کو لٹکانا، تہ بند کا زمین پر گھسٹنا، پگڑی کے شملہ اور طرہ کا بڑا ہونا، پشواز کا لمبا ہونا بڑائی کے اظہار کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، یا سمجھا جاتا ہے۔ بڑائی کے اسی اظہار کو تکبر کہا جاتا ہے، جس کو قرآن مجید نے بلاشبہ ایسا جرم قرار دیا ہے کہ جس کے مرتکب کے لیے جنت میں داخلہ حرام ہے۔ مثلاً دیکھیے سورۂ اعراف (۷: ۴۰)۔ یہ جرم اس لیے کبیرہ ہے کہ اس سے دوسرے انسانوں کی تحقیر ہوتی ہے، اور یہ قبولیت حق میں رکاوٹ بنتا ہے[۴]۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کفار کی مشابہت اور تجزئہ حدیث

ہمارے دینی احکام میں ایک معروف حکم یہود و نصاریٰ کی مشابہت کی نہی ہے۔ ہمارے ہاں اس کے عام معنی یہ

أبو بكر: يا رسول الله، إن إزاري يسقط من أحد شقيه؟ قال: إنك لست منهم 'بعض علما نے تو یہ تک کہا ہے کہ لفظ اسبال کے معنی ہی یہ ہیں کہ غرور و تکبر کی بنا پر کسی کپڑے کو ضرورت سے زیادہ لمبا بنانا، اور اسے زمین کو لگنے دینا۔ مثلاً ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ: 'المسبل الذي يطول ثوبه ويرسله إلى الأرض يفعل ذلك تبخترًا واختيالًا' (مرقاۃ المفاتیح ۲/ ۶۳۴)۔

۴ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: 'اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ، وَغَمْطُ النَّاسِ' یعنی تکبر یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے حق کا انکار کرو، اور لوگوں کی تحقیر کرو۔ (صحیح مسلم، رقم ۱۴۷)

سمجھے گئے ہیں کہ اس حدیث میں یہود و نصاریٰ کا لباس وغیرہ پہننے اور ان کے دینی شعار کو اپنانے سے منع کیا گیا ہے۔ مثلاً اس حدیث کی رو سے پتلون اور بوشرٹ جیسی چیزیں پہننا منع ہوں گی، اور اگر الفاظ کا لحاظ رکھا جائے تو 'من تشبہ بقومٍ فھو منھم ' کے مطابق جس نے ان کی مشابہت اپنائی تو وہ انھی میں سے ہوگا، یعنی قیامت کے دن ان میں سے اٹھے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک صاحب ایمان جب عیسائی قوم کا لباس پہن لے تو اپنے ایمان کے باوجود وہ عیسائی قوم میں سے سمجھا جائے گا۔ اس حدیث سے یہی سمجھا گیا ہے، اور اس کا زیادہ تر استعمال اسی ظاہری ہیئت کے لیے ہوا ہے[۵]۔ لیکن شاید اس بات پر غور نہیں کیا گیا کہ یہ ایک غلط تصور ہے۔ مثلاً اگر ایک آدمی صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے، ایمان کا پختہ ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد کا پورا پورا خیال رکھتے ہوئے زندگی گزارتا ہے، لیکن مسئلہ صرف یہ ہے کہ وہ عیسائیوں کا لباس پہنتا ہے۔ اس فتویٰ کی روشنی میں وہ قیامت کے دن مذہب کلیسا پر سمجھا جائے گا۔ اب نہ اس کی نمازیں اور روزے کام آئیں گے اور نہ ایمان و عمل، اس لیے کہ حدیث کے الفاظ ہیں:

من تشبہ بقومٍ فھو منھم. ''جس نے کسی قوم کی مشابہت اپنائی، وہ انھی میں سے ہوگا۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اسوۂ حسنہ کے اعتبار سے بھی یہ بات غلط ہے، کفار مکہ کے مقابلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے یہ نہیں کہا کہ تم قریش کی مشابہت نہ کرو۔ نئی طرز کا لباس سلواؤ۔ اس حدیث میں اس معنی کے در آنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے اس کے ٹکڑے کر کے سمجھا۔ اس میں ہونے والے اس تصرف کے شواہد کو ہم ذیل کے حوالوں سے سمجھ سکتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ یہ حدیث مسند احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں یوں روایت ہوئی ہے:

عن أبی منیب الجرشی، عن ابن عمر قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: بعثت بالسیف حتی یعبد اللّٰہ لا شریك له، وجعل رزقی تحت ظل رمحی، وجعل الذلة، والصغار علی من خالف أمری، ومن تشبه بقوم فھو منھم. (رقم ۵۱۱۴)

۵؎ البتہ ظاہری معنی میں لینے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ظاہری مشابہت داخلی مشابہت تک لے جاتی ہے۔ بقول صاحبِ تمہید افعال میں مشابہت بھی مراد لی گئی ہے: 'فَقِیلَ مَنْ تَشَبَّہَ بِھِمْ فِیْ اَفْعَالِھِمْ وَقِیلَ مَنْ تَشَبَّہَ بِھِمْ فِی ھَیْئَاتِھِمْ' (۶:۸۰) مصباح الزجاجۃ مع إنجاح الحاجۃ میں ہے: 'وَیحتَمل ان یکون الْمَعْنی حَتّٰی یُفَارق الْمُشرکین فِی زیھم وعادتھم الی زِیّ الْمُسلمین فِی الْعَادَات والمعاملات فَإِن من تشبه بِقوم فَھُوَ مِنْھُم وَاللّٰہ أعلم' (إِنْجَاح الْحَاجة ۱۸۲) اس میں حلیہ، عادات اور معاملات تین امور میں مشابہت کو حدیث کی مراد قرار دیا گیا ہے۔

ابن عمر ہی کی روایت سے یہ حدیث جب امام ابوداؤد رحمہ اللہ اپنی سنن کی ''کتاب اللباس'' میں لائے، تو چونکہ اس کے بعض جملے ''کتاب اللباس'' سے میل نہیں کھاتے تھے، لہٰذا انھوں نے وہ جملے محذوف کر دیے اور آخری جملہ نقل کرنے پر اکتفا کی۔ مذکورہ بالا حدیث کے محذوف الفاظ کو خط کشید کر کے نمایاں کر دیا گیا ہے:

عن أبی منیب الجرشی، عن ابن عمر، قال : قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم: من تشبه بقوم فھو منھم. (رقم ۴۰۳۱)

لہٰذا یہ آخری جملہ اپنے سیاق وسباق سے کٹ گیا اور ایک مطلق اصول کی صورت اختیار کر گیا۔ چنانچہ اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک ضرب المثل کی طرح بولا جاتا ہے کہ 'من تشبه بقوم فھو منھم'، جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انھی میں سے ہوگا۔ یہ حدیث مبارکہ جب اپنے سیاق وسباق سے کٹ گئی تو پھر ایک نئے معنی اس جملے میں آ گئے۔ وہ یہ کہ آپ جس قوم کا حلیہ اپنائیں گے آپ کا انجام بھی ان جیسا ہوگا۔ مثلاً آپ نے پتلون اور ٹائی پہنی ہے تو اپنے ایمان اور صوم وصلوٰۃ کی پابندی کے باوجود اب آپ عیسائیوں کے ساتھ اٹھیں گے، اس لیے کہ آپ نے ان کی مشابہت اختیار کر لی ہے۔ اب آپ کا نہ کلمہ پڑھنا کام آئے گا اور نہ نماز روزہ۔ یہ بات اس لیے زبانوں سے نکلی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری بات کے بجائے ایک جملے کو مدار راے بنایا گیا۔ جبکہ یہ سرتاسر ہمارا اپنا تصرف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اس عیب سے بالکل پاک تھے۔ اب اس حدیث کے اس مکمل متن پر دوبارہ نظر ڈال لیں، جس سے اس کا سیاق وسباق واضح ہوتا ہے۔ پھر یہ بات سمجھنا آسان ہوگا کہ ہمارے تصرفات سے تجزئہ حدیث کا عمل کیا اثرات پیدا کرتا ہے، اور ان شاء اللہ یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس حدیث کا اصل مدعا کیا تھا۔ ابن شیبہ رحمہ اللہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عمر، قال : قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم: إن اللّٰہ جعل رزقی تحت رمحی و جعل الذلة و الصغار علی من خالف أمری، من تشبه بقومٍ فھو منھم.
(رقم ۳۳۰۱۶، ۴۷۱/۶)

''ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا رزق میرے نیزے کے تحت رکھا گیا ہے۔ اور جو میری مخالفت کرے گا اس کے لیے ذلت اور میری ماتحتی لکھ دی ہے، جس نے کسی قوم کی مشابہت کی، وہ ان میں سے ہوگا۔''

مسند احمد بن حنبل کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عمر قال: قال رسول اللّٰہ

''ابن عمر کہتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.org

صلی اللّٰہ علیه وسلم: بعثت بالسیف حتی یعبد اللّٰہ لا شریك له، وجعل رزقی تحت ظل رمحی، وجعل الذلة، والصغار علی من خالف أمری، ومن تشبه بقوم فهو منهم. (رقم ۵۱۱۴)

فرمایا، مجھے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔کہ میں تلوار کے ساتھ جہاد کروں حتیٰ کہ صرف اللہ، جس کا کوئی شریک نہیں کی عبادت کی جائے۔ میرا رزق میرے نیزے کے تحت رکھا گیا ہے۔ اور جو میری مخالفت کرے گا، اس کے لیے ذلت اور میری ماتحتی لکھ دی ہے، جس نے کسی قوم کی مشابہت کی، وہ ان میں سے ہوگا۔''

اس روایت میں دیکھیے کہ غالباً ہجرت مدینہ کے بعد کسی موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی گفتگو یا تقریر میں دشمنان اسلام کو آگاہ کیا ہے کہ اب میرے کار نبوت کے دوران میں جہاد کا مرحلہ آ گیا ہے، اور یہ میرے کام کے لیے ایسا لازم ہے کہ اب میرا رزق ہی میرے نیزے کے تحت رکھ دیا گیا ہے۔ یعنی مال غنیمت کی صورت میں میرا روزگار مقرر کر دیا گیا ہے۔ تاریخ ومغازی اور قرآن مجید کی آیات انفال سے آگاہی رکھنے والے جانتے ہیں کہ مال غنیمت میں آپ کا حصہ مقرر کیا گیا تھا، تاکہ آپ اپنے اور اپنے اعزہ پر خرچ کر سکیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ 'وجعل الذلة والصغار علی من خالف أمری' اللہ نے میرے مخالفین کے لیے ذلت اور صغار (پستی) مقدر کر دی ہے۔ سورۂ توبہ (۹)، سورۂ نصر (۱۱۰)، اور رسول کے غلبہ ونصرت کی تمام آیات اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ رسول اللہ کا غلبہ لازم ہے اور مخالفین کو ذلت، رسوائی اور صغار کا سامنا کرنا ہوگا۔ اگر آپ دیکھیں تو یہ حدیث جہاد کی فرضیت کے زمانہ کے شروع شروع کی لگتی ہے۔ اس وقت تک قریش کی مخالفت مبرہن تھی، لیکن یہود اور دیگر قبائل عرب در پردہ مخالفت میں کھڑے تھے۔

آخری جملہ ـــــ من تشبه بقوم فهو منهم ـــــ یہود کو یا ان کے مماثل لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے کہا گیا ہے کہ جو میرے مخالفین کی مشابہت اختیار کرے گا، ان کا انجام بھی قریش جیسا ہوگا۔ یعنی رسول کی مخالفت میں جو قریش کی طرح ہوا، وہ بھی میرے نیزے اور تلوار کے تحت نہ صرف میرے رزق کا سبب بنے گا، بلکہ میرے مخالفین کے لیے لکھی گئی ذلت کا شکار بھی ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جس طرح قریش سے مکہ چھنا اور سورۂ توبہ (۹) کے مطابق دار وگیر اور خزی ہوئی، ٹھیک یہود کے ساتھ بھی خیبر چھننے اور سورۂ توبہ (۹) کے مطابق 'وهم صاغرون[۶]' کی حالت میں آنے کا معاملہ ہوا، اور حدیث کے الفاظ میں 'صغار' اور ذلت طاری ہوئی۔

---

۶ سورۂ توبہ (۹: ۲۹)، 'صغار صاغرون' ہی کی ایک شکل ہے۔

اس سباق میں غور کیجیے تو 'من تشبه بقومٍ فهو منهم' سے لباس تراش کی مشابہت کا اصول کیسے نکل سکتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ جو بات نکالی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ جس نے دین وملت میں کسی مشرک اور بدعتی قوم کی پیروی کی وہ انھی میں سے ہوگا۔لیکن یہ بات بھی اس قول رسول میں موجود نہیں ہے[۷]۔ عام بشری امور میں تو اس حدیث سے استدلال بالکل ہی غلط ہوگا۔ مثلاً ہم صدیوں سے اہل ہند کا لباس بھی پہن رہے ہیں، ان کی طرز کا کھانا کھاتے ہیں اور رہن سہن کے کئی پہلو بھی اپنا رکھے ہیں۔ جو پاجامہ اور کرتا اور شلوار اور قمیص ہم پہنتے ہیں، یہ لباس ہندو لباس سے بہت مشابہت رکھتے ہیں۔ اس لیے تمام پاکستانی اور ہندوستانی مسلمان اپنا انجام سوچ رکھیں! اسی طرح جیسا ہم نے پہلے عرض کیا کہ صحابہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی قریش مکہ والا لباس پہنا۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث کا مدعا یہ تھا ہی نہیں، لیکن محدثانہ تصرفات یا فقہی تبویب نے حدیث کے اس جملے کو موقع محل سے کاٹ دیا۔ جس سے اس میں نئے معنی پیدا ہو گئے۔ جبکہ حدیث اصل میں یہ کہہ رہی تھی کہ جس نے میری مخالفت کرنے والی قوم کا سارویہ اپنایا، اس کا انجام میرے دشمنوں جیسا ہوگا، وہ بھی میرے نیزے کا شکار ہوں گے اور میری مخالفت کی بنا پر آنے والی ذلت برداشت کریں گے، اور جس نے میرے صحابہ کا سارویہ اختیار کیا، وہ میری طرح جیتے ہوئے مال غنیمت میں سے حصہ پائیں گے اور غالب رہیں گے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مخالفت یہود ونصاریٰ اور تجزیۂ حدیث

ہمارے تصرفات سے مفہوم حدیث کے بدل جانے کی ایک اور مثال وہ روایات ہیں جو بالوں اور لباس کو رنگنے، چپل پہننے اور ڈاڑھی رکھنے سے متعلق مروی ہوئی ہیں۔ ان روایتوں میں جوتے پہننے، لباس اور بالوں وغیرہ کو رنگنے سے متعلق یہود ونصاریٰ کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے۔ پہلے تصرف کے شواہد دیکھیے، اس کے بعد اصل مضمون کو جاننے کی کوشش کریں گے۔ نافع کی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ دو روایتیں صحیح بخاری میں نقل ہوئی ہیں:

عن نافعٍ، عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه	''جناب نافع ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

[۷] اس نوعیت کا مضمون اصلاً مندرجہ ذیل قسم کی روایات میں بیان ہوا ہے، لیکن ان میں یہ نہیں بتایا گیا کہ انجام کیا کیا ہوگا۔
'عن أبی سعیدٍ الخدری، قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم: لتتبعن سنن الذین من قبلکم، شبرًا بشبرٍ و ذراعًا بذراعٍ، حتی لو دخلوا فی جحر ضب لاتبعتموهم قلنا: یا رسول اللّٰه آلیهود و النصاری؟ قال: ((فمن))' (مسلم رقم الحدیث ۲۶۶۹)۔

علیہ وسلم: ((انھکوا الشوارب، وأعفوا اللحی)). (بخاری، رقم ۵۸۹۳)

موچھیں منڈاؤ اور داڑھیوں کو معاف رکھو۔‘‘

اور اسی طرح یہ روایت بھی دیکھیے:

عن نافعٍ، عن ابن عمر، عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: "خالفوا المشرکین: وفروا اللحی، وأحفوا الشوارب"(بخاری، رقم ۵۸۹۲)

’’جناب نافع ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مشرکین کی مخالفت کرو، لہٰذا داڑھیوں کو بڑھاؤ اور موچھیں کٹاؤ۔‘‘

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ان روایات پر اگر نگاہ ڈالیں تو بظاہر تو آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان میں کوئی فرق نہیں ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ مثلاً پہلی روایت میں دیکھیے کہ قول رسول کا ایک اہم جز ونقل نہیں ہوا، جبکہ دوسری روایت میں وہ بیان ہوا ہے۔ اگر فرض کریں کہ پہلی روایت ہی صرف ہم تک پہنچی ہوتی تو ہم ایک اہم اطلاع سے محروم رہ جاتے۔ وہ اطلاع ہے: ’خالفوا المشرکین‘۔

اگر صرف پہلی روایت ہی ہمارے پاس ہو تو یہ حکم مستقل بالذات تعبدی حکم بن جاتا ہے، اور اگر دوسری روایت کا مخالفت مشرکین کا جز وساتھ ملالیں تو حکم مبنی بر علت ہو کر اپنی نوعیت میں مختلف ہو جاتا ہے[8]۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ جنازہ آئے تو کھڑے نہ ہوا کرو، بیٹھ جایا کرو تو یہ مستقل بالذات شرعی حکم بنے گا، اور اگر کہا جائے کہ یہود کی مخالفت میں ایسا کرو، کیونکہ یہود جنازہ کے وقت کھڑے ہوتے ہیں تو حکم کی نوعیت بدل جائے گی[9]۔ کیونکہ اب جنازہ کے

۸؎ ابن عمر جو اس روایت کے راوی ہیں، وہ اس حدیث کے حقیقی منشا سے واقف ہونے کی وجہ سے اسے دوسرے معنی میں لیتے تھے۔ یعنی اسے مستقل تعبدی حکم نہیں مانتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ’وفروا‘ اور ’اعفوا اللحی‘ کے الفاظ میں بات منقل کرنے والے یہ صحابی خود اس کے ان معنی پر عمل نہیں کرتے، جو یہ الفاظ بظاہر ادا کرتے ہیں۔ ان کا عمل حدیث مبارکہ کی پوری بات سے واقفیت کی بنا پر حدیث کے اس ٹکڑے کے ظاہر سے مختلف ہے۔ لہٰذا وہ حج یا عمرہ کرنے کے بعد سر کے حلق کے ساتھ ڈاڑھی کے بھی مٹھی سے لمبے بالوں کو کٹوا دیتے تھے۔ ’عن نافعٍ، عن ابن عمر، عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: "خالفوا المشرکین: وفروا اللحی، وأحفوا الشوارب" وکان ابن عمر: إذا حج أو اعتمر قبض علی لحیتہ، فما فضل أخذہ‘ (بخاری رقم ۵۸۹۲)۔ (جناب نافع، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مشرکین کی مخالفت کرو لہٰذا ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور موچھیں کٹاؤ۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں لیتے، جو حصہ مٹھی سے زیادہ ہوتا اسے کٹوا دیتے۔)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وقت قیام وقعود اصل مسئلہ نہیں ہوگا، بلکہ یہود کی مخالفت اصل مسئلہ ہے۔ لہٰذا یہود اگر جنازہ کے آنے پر بیٹھنے لگ جائیں تو ہمیں بیٹھنا منع ہوگا۔

مخالفت یہود کا ایک حکم ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہوا ہے:

عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم اختضبوا و فرقوا و خالفوا اليهود. (التمہید ٦:٧٦)

''جناب نافع ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خضاب لگایا کرو، مانگ نکالا کرو، اور یوں یہود کی مخالفت کرو۔''

ٹھیک یہی دونوں مضمون ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہوئے ہیں:

عن أبي سلمة، عن أبي هريرة أن النبي صلى اللّٰه عليه و سلم قال: إن اليهود و النصارى لا يصبغون، فخالفوا عليهم. (رقم ٧٥٤٢)

''جناب ابی سلمہ ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہود و نصاریٰ بالوں کو نہیں رنگتے، تو تم ان سے ہٹ کر چلو۔''

دوسری روایت یوں ہے:

عن أبي سلمة بن عبد الرحمٰن، عن أبي هريرة، أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم، قال: ((إن فطرة الإسلام الغسل يوم الجمعة، و الاستنان، و أخذ الشارب، و إعفاء اللحى، فإن المجوس تعفي شواربها، و تحفي لحاها، فخالفوهم، خذوا شواربكم، و اعفوا لحاكم)). (صحیح ابن حبان، رقم ١٢٢١)

''جناب ابی سلمہ سے روایت ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام کی فطرت جمعہ کے دن کا غسل، دانتوں کی صفائی، مونچھیں لینا اور داڑھی بڑھانا ہے۔ چونکہ مجوسی مونچھوں کو بڑھاتے، اور داڑھیوں کو منڈاتے ہیں، لہٰذا ان کی مخالفت کرو، مونچھیں کاٹو، اور داڑھیاں بڑھنے دو۔''

عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ ——— اللہ ان دونوں سے راضی ہوا ——— کی محولہ بالا سب روایتوں میں یا راویوں

٩؎ 'عن عبادة بن الصامت، قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم يقوم في الجنازة حتى توضع في اللحد، فمر به حبرٌ من اليهود، فقال: هكذا نفعل، فجلس النبي صلى اللّٰه عليه و سلم، و قال: اجلسوا خالفوهم' (سنن ابی داؤد، رقم ٣١٧٦)۔ یہ حدیث آگے مضمون میں زیر بحث آ رہی ہے، اس لیے یہاں اس کا ترجمہ نہیں کیا جا رہا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نے حسب ضرورت، یا مصنف محدثین نے ابواب کی رعایت کے تحت تصرف کیا ہے[10]۔ دونوں اصحاب رسول کی ان پانچوں روایتوں میں، حدیث کو حسب مضمون اجزا میں بانٹا گیا ہے۔ خضاب کے باب کے تحت خضاب والا جملہ اور ڈاڑھی کے باب میں ڈاڑھی والا جملہ۔ ان کے یوں بانٹنے سے بظاہر فرق نہیں پڑتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زمین آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے۔ بات اپنے محل سے کٹ گئی ہے، اور اس کے معنی کہیں سے کہیں جا نکلے ہیں۔

اپنے سیاق وسباق اور محل سے کٹ جانے کے بعد ان روایتوں سے ایک اہم مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ یہود کی مخالفت کے معنی کیا ہیں؟ نبی اکرم کا اسوہ تو یہ معلوم ہے کہ انھوں نے بہت سے امور میں یہود کی صحیح شریعت کی پیروی کی: ہجرت کے بعد یہودی شریعت کے مطابق قبلہ اختیار کیا، جب قرآن کا حکم آیا تو آپ نے تبدیل کر لیا۔ جب روزہ فرض ہوا ہے تو صحابہ نے اسے اہل کتاب کے روزے ہی کی طرح رات دن کا خیال کیا۔ عاشورا کا روزہ آیا تو آپ نے یہود کے اس عمل کو اختیار کیا اور ایک دن کا روزہ اور بڑھا دیا۔ یہاں تک کہ قرآن نے اہل کتاب کا ذبیحہ کھانے تک کی اجازت دی، وغیرہ۔ مسند احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ 'كان يتشبه بأهل الكتاب، فلما نهى انتهى[11]' (رقم ۱۲۰۰)، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی مشابہت کیا کرتے تھے، جب اللہ کی طرف سے روک دیا جاتا تو رک جاتے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن مجید میں اتباع ملت ابراہیم علیہ السلام کا حکم دیا گیا ہے: 'أن اتبع ملة إبراهيم' (النحل ۱۶: ۱۲۳) ملت ابراہیمی کی پیروی کرو۔ ملت ابراہیمی کی دو شاخیں آپ کے عہد میں موجود تھیں: بنی اسماعیل اور اہل کتاب۔ لہٰذا آپ نے اس حکم کی پیروی ہی میں وہ اسوہ اختیار کیا، جو حضرت علی نے اوپر بیان فرمایا ہے کہ جب تک روکا نہ جاتا، آپ اہل کتاب کا طریقہ اختیار کرتے تھے۔

لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اہل کتاب کی مخالفت کے کیا معنی ہیں؟ اس کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس حکم کا موقع محل معلوم کیا جائے۔ جس کے لیے ضروری ہے کہ ہم ایسا متن کتب حدیث میں تلاش کریں، جس میں مکمل بات بیان ہوئی ہو، اور محدثین کے عمل تبویب یا دیگر تصرفات سے بچی رہی ہو۔ اس مقصد کے لیے مسند نام کی کتابیں مفید

۱۰؎ یہاں ہم دیگر تصرفات کو زیر بحث نہیں لا رہے، مثلاً خضاب کے حکم میں ایک جگہ صرف یہود اور دوسری جگہ یہود و نصاریٰ دونوں مذکور ہیں۔ یہ بھی ان تصرفات کے شواہد میں سے ہے، وغیرہ۔

۱۱؎ مکمل حدیث یوں ہے: 'عن أبي معمرٍ قال: كنا مع علي، فمر به جنازةٌ فقام لها ناسٌ، فقال علي: من أفتاكم هذا؟ فقالوا: أبو موسى، قال: إنما فعل ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم مرةً، فكان يتشبه بأهل الكتاب، فلما نهى انتهى'۔

ہوتی ہیں، کیونکہ ان میں راوی کے لحاظ سے حدیث مدون کی جاتی ہے، موضوع کے اعتبار سے نہیں، خوش قسمتی سے مذکورہ بالا روایات والے موضوع کا تقریباً ایک حد تک مکمل مضمون دست یاب ہے۔ یہ حدیث مبارکہ مسند احمد، مجمع الزاوئد اور بیہقی کی ''مجمع البیان'' میں وارد ہے، مسند احمد، رقم ۲۲۲۸۳ کے الفاظ یہ ہیں:

أبو أمامة يقول: خرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم على مشيخة من الأنصار بيض لحاهم فقال: ((يا معشر الأنصار حمروا و صفروا، و خالفوا أهل الكتاب)). قال: فقلنا: يا رسول اللّٰه، إن أهل الكتاب يتسرولون و لا يأتزرون فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم: تسرولوا و ائتزروا و خالفوا أهل الكتاب. قال: فقلنا: يا رسول اللّٰه، إن أهل الكتاب يتخففون و لا ينتعلون. قال: فقال النبي صلى اللّٰه عليه و سلم: ((فتخففوا و انتعلوا و خالفوا أهل الكتاب)). قال: فقلنا: يا رسول اللّٰه إن أهل الكتاب يقصون عثانينهم و يوفرون سبالهم. قال: فقال النبي صلى اللّٰه عليه و سلم: ((قصوا سبالكم و وفروا عثانينكم و خالفوا أهل الكتاب[12])).

''ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے عمر رسیدہ اصحاب کے پاس آئے، جن کی ڈاڑھیاں سفید تھیں۔ تو آپ نے ان سے فرمایا: اے گروہ انصار اپنی ڈاڑھیوں کو زرد اور سرخ رنگ سے رنگ لیا کرو، اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

ابوامامہ کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ اے رسول اللہ، یہ اہل کتاب صرف پاجامہ پہنتے ہیں، تہ بند نہیں باندھتے؟ آپ نے سن کر فرمایا، پاجامہ بھی پہنو اور تہ بند بھی باندھو، اور یوں اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

کہتے ہیں ہم نے آپ سے یہ بھی پوچھا کہ اہل کتاب بند جوتے (خفین) پہنتے ہیں، لیکن چپل نہیں پہنتے؟ آپ نے فرمایا چپل بھی پہنو اور بند جوتے بھی پہنو، اور یوں اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

کہتے ہیں ہم نے اگلی بات پوچھی کہ اہل کتاب ڈاڑھیاں کٹواتے ہیں اور مونچھیں بڑی رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم مونچھیں پست رکھا کرو اور ڈاڑھیاں بڑھالو، اور یوں اہل کتاب کی مخالفت کرو۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۱۲؎ اس روایت کو علامہ ہیثمی مجمع الزوائد میں نقل کرنے کے بعد اسے صحیح قرار دیتے ہوئے رقم فرماتے ہیں: 'رواه أحمد، والطبراني، ورجال أحمد رجال الصحيح خلا القاسم، وهو ثقةٌ، وفيه كلامٌ لا يضر '۔ چنانچہ یہ حدیث صحیح ہے، ویسے بھی اس کے مضامین بکثرت دوسری روایتوں میں آئے ہیں۔

اس روایت میں ہمارے عمومی فہم سے ہٹ کر کچھ اور طرح کی مخالفت سامنے آتی ہے۔ ہمارا عمومی فہم احادیث مبارکہ کے ٹکڑوں سے بنا ہے۔ مثلاً یہ ٹکڑا کہ 'من تشبه بقوم فهو منهم، یا خالفوا الیهود' وغیرہ کے جملے یہی تاثر بناتے ہیں کہ ہر صورت ان کی مخالفت کرو۔ جبکہ محولہ بالا روایت میں مخالفت کچھ اور طرح کی ہے۔ الفاظ روایت پر دوبارہ نظر دوڑائیے تو آپ کو یہ بات تمام احکام میں نظر آئے گی کہ آپ مخالفت کا بھی کہہ رہے ہیں اور ساتھ ہی اہل کتاب والے عمل کے کرنے کو بھی کہہ رہے ہیں۔ مثلاً دیکھیے کہ یہود خفین پہنتے، اور چپل سے منع کرتے تھے، تو آپ نے کہا کہ خفین بھی پہنو اور چپل بھی۔ اگر ہمارے عمومی فہم والی مخالفت ہوتی تو پھر خفین پہننے سے روکتے اور صرف چپل پہننے کا کہتے۔ یہ دراصل مخصوص مخالفت ہے۔ میں اپنے ناقص علم سے جو سمجھا ہوں وہ عرض کیے دے رہا ہوں، یقیناً اس بات کا امکان ہے کہ کوئی اور پہلو بھی نکلتا ہو۔ لیکن جس پہلو کو ہم یہاں بیان کرنا چاہتے، اس سے آپ دیکھیں گے کہ تمام احادیث حل ہو جاتی ہیں اور نصوص کا وہ تناقض بھی زائل ہو جاتا ہے، جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

یہود کے احبار (علما) نے بہت سے فتوے دے دے کر نئے نئے احکام دین میں اپنی طرف سے داخل کر دیے ہوئے تھے، جنھیں قرآن 'افترا علی اللّٰہ' قرار دیتا ہے۔ مندرجہ بالا روایت میں انھی کی کچھ مثالیں زیر بحث آئی ہیں۔ یعنی وہ بالوں کو رنگنے، چپل پہننے اور تہ بند باندھنے کو دینی معنی میں ممنوع کہتے تھے۔ یہ حرمتیں انھوں نے دین میں خود افترا کر کے ڈال دی تھی۔ آپ نے انھی بدعات کی مخالفت کو اہل کتاب کی مخالفت قرار دیا ہے۔ نہ چپل پہننا حرام تھا اور نہ بند جوتے۔ اس لیے آپ نے دونوں کو جائز قرار دیا اور فرمایا یوں بھی کرو اور یوں بھی۔ دونوں کام کرنے کو یہود کی مخالفت قرار دیا، حالانکہ اس میں یہود کی مخالفت بھی تھی اور موافقت بھی۔ یعنی یہود کے ایک چیز کو حلال اور دوسری کو حرام کہنے کے اس فتوے کی مخالفت کرو۔ مراد یہ کہ جس چیز کو وہ افترا کے طریقے پر دین بنا رہے ہیں اسے دین نہ بناؤ۔

حدیث کے ٹکڑوں سے جو مخالفت سمجھ میں آ رہی تھی، اس سے یہ بہت مختلف مخالفت ہے۔ آپ نے اس فتویٰ کی مخالفت کا حکم دیا ہے، جس نے ایک جائز چیز کو ناجائز اور ایک مباح چیز کو مستحب بنا دیا تھا[۱۳]۔ علما و احبار کا یہی وہ طرز عمل ہے جو اصر و اغلال پیدا کرتا ہے، نبی آخر الزماں اسی اصر و اغلال سے دین کو پاک کرنے آئے تھے۔ سو اس حدیث میں اور اہل کتاب اور مجوس کی مخالفت کی تمام روایات میں جو مخالفت کا حکم ہے، وہ دراصل لباس اور ظاہری چیزوں کی مخالفت کے لیے نہیں ہے، بلکہ وہ ان فتووں کی مخالفت کا حکم ہے جو نصوص کے بغیر اہل کتاب نے دے رکھے تھے۔ گویا یہود کی مخالفت کا مطلب یہ ہوا کہ جن چیزوں کو انھوں نے اپنے فتووں سے دین بنا رکھا ہے، اسے دین نہ سمجھو۔

بدعات یہود سے بچنے کی ایک اور مثال جنازہ کے آنے پر کھڑے ہونا ہے۔

۱۳؎ یعنی مثلاً چپل اور خفین دونوں مباح تھے، لیکن اپنے فتوے سے چپل کو ناجائز بنا دیا اور خفین کو مستحب۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عن عبادة بن الصامت، قال: كان رسول الله صلى الله عليه و سلم يقوم في الجنازة حتى توضع في اللحد، فمر به حبرٌ من اليهود، فقال: هكذا نفعل، فجلس النبي صلى الله عليه و سلم، وقال: ((اجلسوا خالفوهم)).
(سنن ابی داؤد، رقم ۳۱۷۶)

''عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنازے میں میت کو قبر میں اتارنے تک کھڑے رہتے تھے۔ تو ایک یہودی عالم پاس سے گزرا، تو اس نے کہا کہ ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں، تو اس کے ایسا کہنے پر آپ بیٹھ گئے۔ صحابہ سے بھی فرمایا کہ ان کی مخالفت کی غرض سے بیٹھ جاؤ۔''

یہاں بھی دیکھیے کہ آپ جنازے پر کھڑے تھے کہ یہودی عالم دین کے کہنے سے یہ چیز سامنے آئی کہ یہ ان کا خودساختہ دینی عمل ہے۔ لہٰذا آپ نے یہ بتانے کے لیے کہ جنازے میں بیٹھا بھی جا سکتا ہے، آپ خود بھی بیٹھ گئے اور دوسروں کو بھی بیٹھنے کے لیے کہا۔ پاکستان میں ہماری امت میں یہ عمل اسی طرح جاری ہے، لوگ نہ جنازہ و تدفین میں کھڑے رہنے کو حرام سمجھتے ہیں نہ واجب۔ یہ بھی اس بات کی مثال ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور میں یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا حکم دیا ہے، جس میں انھوں نے اپنے فتووں سے خود ہی حرام و حلال یا مندوب و مستحب کی قسم کے اعمال و افعال مقرر کر رکھے تھے۔ قرآن میں نبی اکرم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ان بدعات کا قلع قمع کرنے آئے تھے۔ درج بالا حدیث میں خفین و نعلین، زرد اور سفید لباس، ڈاڑھی کا چھوٹا بڑا ہونا سب دائرۂ مباحات کی چیزیں تھیں جنھیں یہود نے مذہبی رنگ دے رکھا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث مبارکہ میں اس مذہبی رنگ کو ختم کر کے دوبارہ دائرۂ مباحات کی چیز بنا دیا، تاکہ اصر و اغلال زائل ہو اور یہود کی بدعات کا قلع قمع ہو۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہ چند مثالیں تھیں، جن میں احادیث کو روات یا محدثین نے بیان کرتے وقت اجزا میں بانٹ دیا ہے جس سے ان کا مضمون بالکل بدل کر رہ گیا ہے۔ پھر کچھ فقہی اور دینی مسائل پیدا ہو گئے۔ اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ ہر حدیث کے فہم کے وقت اس کے مکمل ترین متن کو تلاش کیا جائے۔ اس لیے فقہی ترتیب کی کتب بھی مدد دے سکتی ہیں، لیکن مسند قسم کی کتابیں زیادہ مفید مطلب ہوں گی، کیونکہ ان میں حدیثیں مضمون کے تحت نہیں، بلکہ راوی کے تحت لائی جاتی ہیں، جس سے مکمل متن کے آنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

[باقی]